Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 15th Feb, 2024 | Accepted: 16th June, 2024 | Available Online: 30th June, 2024
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v16i01.393

چینی ادیب رؤشی کے افسانے "بیوی کی عارضی فروخت" اور احمد ندیم قاسمی کے افسانے "بیٹے بیٹیاں" کا تقابلی مطالعہ

A Comparative Study of the Short stories by Chinese Writer Rou Shi "A Slave Mother" and Ahmed Nadeem Qasmi "Sons & Daughters"

PROFESSOR KONG JULAN (Sitara-e-Quaid-e-Azam), (Sitara-e-Imtiaz)
School of Foreign Languages, Peking University, Beijing, China
(kongjl@pku.edu.cn)

ABSTRACT By comparing Rou Shi's and Ahmad Nadeem Qasmi's short stories, it is surprising to find that these two well-known authors, though living in different countries, have created works with very similar meanings. In revealing sufferings and miseries of women of the underclass, they have uncovered the common social problems brought about by poverty, ignorance, and outmoded conventions and customs. In the semi-feudalist society, women from both countries are all in a very humble position: they are deprived of their own social position, thus becoming lambs to be slaughtered, belongings of their husbands, and victims of poverty and backwardness. In their works, both authors unveiled the miserable and inhumane conditions of women, demonstrated the tragic life of working women of that time, condemned tortures and torments brought to women by the unfair social system, and offered their deep sympathy to poor peasants, especially toiling women. This study underscores the enduring relevance of literature in exposing and critiquing societal inequities, offering poignant insights into the shared struggles of women navigating oppressive systems across different national contexts.

Keywords China, Pakistan, Women, Gender bias, Stereotypical rituals, Discrimination.

"بیوی کی عارضی فروخت" اور "بیٹے بیٹیاں" بالترتیب چینی افسانہ نگار رؤشی اور پاکستانی افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی کے افسانے ہیں۔ ان افسانوں کی پڑھت کے بعد ایک حیران کن بات کی دریافت ہوتی ہے حالانکہ دونوں مصنف مختلف ملکوں، ثقافتوں میں آباد تھے اور دونوں کا سماجی، تہذیبی پس منظر بھی مختلف تھا لیکن ان کے افسانوں کا موضوع اور مرکزی خیال تقریباً ایک جیسا ہے۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں نچلے طبقوں کی غریب عورتیں کتنی بدنصیب تھیں۔ ان کی زندگی کتنی دکھ بھری اور مصیبت زدہ تھی، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی دیوتا کے آگے قربان کیے جانے والے جانور ہیں۔ اطاعت گزار اور تابع فرمان اس قدر کہ پہلے اپنے والدین اور بعد میں اپنے مجازی خداؤں کے احکام کی منتظر رہتی ہیں۔ ان کی اپنی کوئی حیثیت تھی اور نہ ہی انھیں کوئی حق حاصل تھا کہ زندگی کے بارے میں کسی قسم کا فیصلہ کر پاتیں۔ وہ دراصل غربت، جہالت، دقیانوسی خیالات اور انصاف سے عاری سماجی نظام کے ہاتھوں اپنی آرزوؤں اور

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

خواہشات کو قربان ہوتے ہوئے دیکھتی رہتی تھیں۔ دونوں کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دیہات چاہے چین کے ہوں یا پاکستان کے، طبقاتی استحصال بہت زیادہ تھا۔ جاگیر دارانہ معاشرے کی منافقت، ظلم وستم اور وحشت ہر سو پھیلی رہتی تھی۔ دونوں جانب کے دیہات شدید طبقاتی تضادات کا شکار نظر آتے ہیں۔ ان افسانوں میں دراصل یہ حقیقت بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاشرے کے سب سے نچلے طبقے کی دیہاتی عورتوں کے ذہن اور شخصیت ایک بے رحم پامالی کی شکار ہیں۔ دونوں افسانوں میں دیہات کے پسماندہ اور غریب طبقے خصوصاً عورتوں کو درپیش مسائل کی نہایت باریک بینی سے تصویر کشی کی گئی ہے۔ نیز ایک غیر انسانی ماحول میں غربت اور بدحالی کے ہاتھوں کسانوں اور دیگر محنت کش اکثریت، خاص طور پر عورتوں کے شب وروز کی عکاسی نہایت فن کاری کے ساتھ کی گئی ہے۔

رؤشی کا افسانہ "بیوی کی عارضی فروخت" ۱۹۳۰ء میں منظر عام پر آیا۔ رؤشی بیسویں صدی کے نصف اول میں اہم مصنف اور ایک ایسے انقلابی تھے جو سرعام رجعت پسند حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے تھے۔ اسی جرم کی پاداش میں رجعت پسندوں نے اس آواز کو ۱۹۳۱ء کو سزائے موت دے کر خاموش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اپنی مختصر زندگی جو کہ فقط ۲۸ برسوں پر مشتمل تھی میں انھوں نے چینی ادب میں جو تصانیف تخلیق کیں، ان کی اہمیت ہر گزرتے دن کے ساتھ دوچند ہو رہی ہے۔ بعد میں جب یہاں کے انقلابیوں کو کامیابی ملی اور جمہوریہ چین میں ترقی وخوشحالی کی نئی تاریخ رقم کرنے کی ابتدا ہوئی تب دورِ جدوجہد کے سارے اہم کرداروں کو یاد کیا گیا۔ ان کی زندگی اور کارہائے نمایاں کو خاطر خواہ اجاگر کیا گیا۔ رؤشی کی کہانیوں اور شاعری کو بھی اب چینی ادب میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ "بیوی کی عارضی فروخت" کوئی نوے سال پہلے شائع ہونے والا افسانہ ہے، لیکن اب اسے نہ صرف چین میں شہرت دوام حاصل ہے، بلکہ دنیا کی مختلف اہم زبانوں میں ترجمہ ہو کر عالمی کلاسیک کے مرتبے پر فائز ہو چکا ہے۔ یہ افسانہ پہلے 'غلام ماں' کے عنوان سے طبع ہوا تھا البتہ اشاعت کے بعد 'بیوی کی عارضی فروخت' کے نام سے اسٹیج پر پیش کیا گیا اور اس کے بعد اسی عنوان سے اس پر فلم بنائی گئی۔

اس افسانے کا پلاٹ کچھ یوں ہے کہ گزشتہ صدی کے تیسرے عشرے میں چین کے ایک گاؤں میں ایک محنتی، ذہین اور باہمت عورت رہتی تھی۔ کہانی میں اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ گاؤں والے اسے اس کے بیٹے کے نام کی نسبت سے چھوین باؤ کی ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ شادی کے بعد اس کے ہاں پہلی اولاد ایک بیٹی ہوئی۔ جس کے پیدا ہوتے ہی اس کے شوہر نے نوزائیدہ کو اُبلتے ہوئے پانی میں ڈبو کر مار ڈالا۔ دوسرا بچہ بیٹا تھا اس لیے بچ گیا۔ جب یہ بچہ پانچ سال کا ہوا تب اس کے شوہر کی مالی حالت جو ایک عام کسان اور چمڑے بیچنے والا تھا، مزید خراب ہوئی۔ افسانے میں اس کی معاشی حالت کا بیان کچھ اس طور ہوا ہے۔

> "اس کی معاشی حالات بہت مشکل صورت حال سے دوچار تھی اور سال بہ سال اس کا قرض بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر وہ افیون کھانے، شراب پینے اور جوا کھیلنے کا عادی ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کا مزاج بھی مزید درشت اور گستاخ ہو گیا۔۔۔ غربت سے اس کے سارے جسم کا رنگ پیلا ہو گیا اور وہ یرقان کی بیماری کا شکار بھی رہا"(۱)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

ایک دن اس نے چھوین باؤ کی ماں یعنی اپنی بیوی سے کہا کہ

"اب میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے اور گھر کا دیگچہ تک بھی بیچ دیا۔ اب تم ہی سے زندہ رہنے کا کوئی طریقہ ڈھونڈ رہا تھا۔۔۔ میں نے تمہیں تین سال کے لیے عارضی طور پر فروخت کر دیا ہے۔"(۲)

قریبی گاؤں میں ایک امیر آدمی کی بیوی نظام تولید میں خرابی کی وجہ سے اولاد جیسی نعمت سے محروم تھی۔ امیر شخص اپنی وراثت کا سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا۔ آخر کار اسے یہ ترکیب سوجھی کہ کسی ایسی عورت کی مدد سے اپنے لیے بیٹا اور وارث حاصل کرے جس کی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ثابت شدہ ہو، نیز وہ یہ کام پیسوں کے عوض کرنے کو بھی تیار ہو۔ اس کام کے لیے چھوین باؤ کی ماں کا انتخاب کیا گیا کیونکہ وہ کامیابی سے دو بچے جن چکی تھیں۔ اس سے اہم بات یہ کہ اس کے شوہر کی ناگفتہ بہ مالی حالت کی وجہ سے سہولت سے سارے امور انجام پانے کی امید بھی تھی۔ معاہدے کی شرطِ اولین یہ تھی کہ چھوین باؤ کی ماں تین یا پانچ سال میں اس امیر شخص کے لیے ایک بیٹا جنے گی اور اس کے بدلے امیر اس کے شوہر کو چاندی کے سو سکے دے گا۔ یوں چھوین باؤ کی ماں امیر کے گھر آئیں اور ایک ملازمہ کی حیثیت سے امیر کے گھر میں مشقت کا کام کرنے لگیں۔ اس کے ساتھ وہ اس امیر شخص کی بیوی کا ظلم بھی برداشت کرتی رہیں۔ دوسرے سال میں چھوین باؤ کی ماں نے امیر کے لیے ایک بیٹا جنم دیا۔ جب بچہ ڈھائی سال کا ہوا، حالانکہ چھوین باؤ کی ماں اپنے پیارے بیٹے کے لیے ایک اور سال ٹھہرنا چاہتی تھیں، تب امیر آدمی کی سنگ دل بیوی نے اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ چھوین باؤ کی ماں کو اپنا پیارا بچہ چھوڑ کر واپس اپنے گھر لوٹنا پڑا۔ بے چاری چھوین باؤ کی ماں نے پہلے ایک بیٹے کی جدائی برداشت کی تھی اب دوسرے کو کھونے کی تکلیف بھی اس کے نصیب میں آئی۔ وہ اپنے دوسرے بیٹے کی یاد میں روتے ہوئے اپنے اصلی گھر واپس آئیں۔ جب گھر پہنچیں تو دیکھا کہ اس کا پہلا بیٹا پھٹے پرانے اور گندے لباس میں تھا۔ اس کا قد کاٹھ بھی ویسا تھا جیسے پانچ سال پہلے تھا، حالانکہ اس کی عمر اب نو برس تھی۔ مستزاد یہ کہ اس کے شوہر کی حالت پہلے سے بھی خراب تھی۔

اس کہانی نے پرانے معاشرتی نظام کی دقیانوسی رواج پر تنقید کی اور طبقاتی استحصال، جاگیردارانہ آداب کی منافقت، ظلم اور مصیبت میں پھنسی ہوئی مامتا کی تکالیف کو بے نقاب کر دیا۔ محنت کش عورتوں کی دکھ بھری قسمت پر گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی رؤشی نے کہانی میں ''غریبوں اور خواتین کے خلاف امتیازی سلوک'' کا مسئلہ اٹھایا ہے۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانے 'بیٹے بیٹیاں' میں پاکستانی پنجاب کی ایک ایسی روایتی حقیقت کو قلم بند کیا گیا ہے، جسے عرف عام میں 'وٹے سٹے' کی شادی کہا جاتا ہے۔ غریب رنڈوا ہادی اپنی جوان بیٹی کے رشتے کے لیے اپنے ہم عمر دوست بیگو کے ہاں جاتا ہے، جس کا ایک جوان بیٹا تھا۔ جب ہادی نے بیگو کے سامنے اپنی عرضداشت پیش کی تو بیگو نے جواب دیا:

"ایک جوان بیٹے کا باپ ہوں، تو میری ایک جوان بیٹی بھی تو ہے۔ کوئی بیٹی کا پوچھنے آئے تو بیٹے کا رشتہ دے کے جائے، کسی نے بیٹے کی بات کی تو بیٹی کے رشتے کی شرط لگا دوں گا، ایک لے جاؤ، ایک دے جاؤ، حساب برابر۔"(۳)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

چونکہ رنڈوے کمہار ہادی کا بیٹا ابھی شادی کی عمر کو نہیں پہنچا تھا، تو کچھ توقف کے بعد بیگو نے اس کا حل کچھ یوں پیش کیا کہ "دینو، تمہارا داماد بن جائے، اور تم میرے"(۴)

ہادی نے مجبوراً جوان بیٹی کی شادی کے لیے اپنے دوست کی نوجوان لڑکی شرفی سے شادی کرلی۔ پانچ سال کے بعد کمہار ہادی کا بیٹا مراد جوان ہوا تو گاؤں سے شکایات آنی شروع ہو گئیں کہ اس کے لچھن اچھے نہیں۔ تنگ آکر ہادی اور شرفی دونوں نے آس پاس کے دیہات میں کمہاروں کے گھروں کے چکر لگانے شروع کر دیا۔ تاہم کوئی مناسب لڑکی نہیں ملی، کیونکہ "قریب قریب سب کمہار، بیٹیوں کے ساتھ بیٹے لیے بیٹھے تھے۔"(۵) آخر میں ایک دُور کے رشتہ دار نادر کمہار کے ہاں اس کی بیٹی کا رشتہ مانگنے چلے جاتے ہیں۔ مگر نادر یہ شرط رکھ دیتا ہے کہ:

> "مجھے بھی تو دنیا میں زندہ رہنا ہے۔ بیٹی اگر تمہارے پاس چلی گئی، تو میں اکیلا کیا کروں گا، کیسے جیوں گا، تو یوں کرو، کہیں سے کسی بیوہ کا انتظام کر دو، میں اس کو اپنے گھر میں ڈال لوں گا، تم میری بیٹی کو اپنے ہاں لے جانا۔ گندی بات ہے پر سچی بات ہے۔ تم دونوں جب کوئی انتظام کر لوگے تو میں بیٹی کا ہاتھ پکڑوں گا اور تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا۔"(۶)

ہادی اور شرفی واپس آکر سوچنے لگے اور اتنے میں صوبیدار نے ہادی کو بلا کر کہا کہ 'اگر آج کے بعد مراد نے کوئی ایسی حرکت کی تو اس سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔۔ ورنہ یہ قتل ہو گا یا جیل میں جائے گا۔'(۷) ان حالات میں ہادی ایک تلخ فیصلہ کر چکا تھا، یعنی اپنے بیٹے کی شادی کے لیے اپنا گھر برباد کرنے کا فیصلہ۔ اس بیچارے کمہار ہادی کو اپنے بیٹے کی فوری شادی کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دینا پڑی، تاکہ نادر کے مطالبے کے مطابق رشتے کی شرط پوری کر سکے اور ساتھ ہی وہ اپنی بیٹی اس کے بیٹے کے نکاح میں دے دے اور شرفی کو نادر سے شادی کرنا تھی۔ یہاں ایک افسوس ناک اور دل شکستہ کہانی پیش کی گئی ہے۔ پنجاب کے دیہات میں غریب کمہاروں کی زندگی کی محرومیوں اور مجبوریوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ معاشرے کی اس مکروہ روایت کے منفی اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

"بیوی کی عارضی فروخت" میں چھوین باؤ کی ماں اور "بیٹے بیٹیاں" میں شرفی دونوں کو یا تو عارضی طور پر فروخت کر دیا گیا یا طلاق دے کر دوسری شادی کے لیے مجبور کیا گیا۔ ان کے نصیب کس قدر ملتے جلتے ہیں۔ مصیبت زدہ، اور قربانی کے جانوروں کی مانند۔ والد اور شوہر کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ ان کی اپنی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی حق حاصل ہے کہ اپنے بارے میں کسی قسم کا کوئی فیصلہ کریں۔ غربت، جاہلیت، دقیانوسی اور پدری نظام کی ناانصافیوں کے ہاتھوں قربان ہونے پر مجبور ہیں۔

دونوں کہانیوں میں والد یا شوہر نے جو کچھ کیا، وہ سب غربت اور دقیانوسی روایات کا نتیجہ ہے۔ 'بیوی کی عارضی فروخت' میں شوہر ایک کسان اور چمڑا بیچنے والا ہے۔ اس کی زندگی اپنا گھر سنبھالنے کی کوشش میں صرف ہو رہی ہے۔ تاہم افراتفری کے اس زمانے میں عام لوگوں کے شب و روز تباہی سے دوچار ہیں۔ ایک سرا پکڑتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے۔ گاؤں میں افیون کھانے، جوا کھیلنے اور شراب نوشی جیسی خرافات دوبارہ سر اٹھا رہی ہیں۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ ان مسائل اور دکھوں کا حل شراب پینا ہے۔ کیونکہ شراب پینے اور افیون

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

کھانے سے وقتی طور پر لوگ اپنے مسائل اور دکھ بھول جاتا ہے۔ جوا کھیلنا بھی ایک برا مشغلہ ہے۔ جوے کی لت اس وقت پڑتی ہے جب کسی کو اپنے معاشی مسائل کا کوئی جائز حل نہ سوجھے یا وہ جائز طریقے سے انھیں حل کرنے کی بجائے مختصر اور فوری حل کی خواہش کریں۔ دراصل جوا کھیلنا اپنے آپ کو تباہ کرنے کے جیسا ہے۔ کہانی میں ایک ایسے ہی غریب کسان کی کہانی بیان ہوئی ہے جو یکے بعد دیگرے ایسے غلط فیصلے کرتا ہے جو اس کے گھر اور گھر والوں کو اپنے ہاتھوں سے تباہی سے دوچار کر دیتا ہے۔

"بیٹے اور بیٹیاں" میں شوہر اور باپ ہادی جو پہلے سے ہی غربت کی چکی میں پس رہا ہے، اسے اپنے بچوں کو آباد کرنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ اس کے لیے قربانیاں دینی پڑیں۔ پہلے مجبوراً اپنی جوان بیٹی کو ایک بوڑھے کے ساتھ بیاہنا پڑا اور بعد میں اپنی بیوی کو طلاق دینا پڑی۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دل سے اس فیصلے سے خوش نہیں۔ لیکن صورت حال ایسی دکھائی گئی ہے کہ اسے ایک گھر آباد کرنے کے لیے دوسرا گھر برباد کرنا پڑا۔ بظاہر کمہار ہادی داماد بنا، لیکن حقیقت میں وہ بھی ایک مکروہ اور ہیجان زدہ سماجی آداب اور دقیانوسی روایات کے ہاتھوں شکار ہوا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں کہانیوں میں کس نوع کی یکسانیت پائی جاتی ہے؟ اس ضمن میں پہلا نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ دونوں کہانیوں کا سیاسی اور معاشرتی پس منظر ایک جیسا ہے۔ دونوں کہانیوں کا پس منظر بیسویں صدی کے تیسرے اور پانچویں عشرے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس زمانے میں چین اور تقسیم سے قبل کے ہندوستان میں اپنی قومی خود مختاری اور آزادی کی جدوجہد زوروں پر تھی۔ دونوں خطے افراتفری کا شکار تھے۔ عوام آگ اور خون جیسی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ کبھی قحط پڑتا تو آبادی کے ایک بڑے حصے کو کھانے پینے کے لالے پڑ جاتے تھے۔ لوگ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ غریب لوگوں کو زندہ رہنے کے لیے کبھی اپنے بچوں کو بھی بیچنا پڑ جاتا تھا تاکہ بچے قحط کے بے رحم ہاتھوں نہ مر جائیں اور خود کو زندہ رکھنے کے لیے کچھ پیسے بھی مل سکیں۔ چین کے پسماندہ علاقوں میں بھی 'وٹے سٹے' کی شادیاں ہوتی تھیں۔ پاکستان کے برعکس چین میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ جہیز دینا لڑکی والوں کی ذمہ داری نہیں تھی۔ لڑکے والوں کے لیے خاص طور پر قدیم چین کے غریب گھرانوں کے لڑکوں کے لیے بیوی ڈھونڈ کر لانا بہت مشکل کام تھا۔ کیونکہ لڑکے والوں کو لڑکی کے والدین کو بڑی تعداد میں پیسے یعنی جہیز دینے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس دور میں جو گھر مالی اعتبار سے کمزور تھے، ایسے گھروں کے لڑکے عموماً کنوارے رہ جاتے تھے۔ کبھی کبھی غریب گھروں کے بیٹوں کی شادی یوں ہو جاتی تھی کہ اتفاق سے اسی گھر میں بیٹیاں بھی ہوتی تھیں۔ اسی طرح غریب گھروں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی بغیر جہیز کے ہو جاتی تھی۔ یہ بالکل احمد ندیم قاسمی کے افسانے 'بیٹے بیٹیاں' سے مشابہ ہے اور یہ 'وٹے سٹے' کی شادی بھی کہلا سکتی ہے۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک برصغیر برطانیہ کی نو آبادی رہا۔ جنوبی ایشیا کی عوام کو کئی طبقوں کے ظلم و ستم برداشت کرنا پڑتے تھے، جس میں سامراج برطانیہ کی نو آبادیت کا جبر، جاگیر داریت کے ہاتھوں استحصال اور ذات پات کے نظام کی پابندیاں وغیرہ شامل تھیں۔ یہاں کی عوام کی زندگی اُس زمانے کی چینی عوام سے زیادہ بہتر بھی نہیں تھی۔ یہ بھی غربت کا شکار رہے اور اس پر مستزاد یہ کہ بیٹیوں کی شادی کے لیے جہیز کی لازمی شرط بھی پوری کرنا پڑتا تھا۔ اگر بیٹیوں کے والدین جہیز نہیں دیتے یا دینے کے قابل نہیں ہوتے، دونوں صورتوں میں بیچاری بیٹی کو سسرال میں ظلم و ستم کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اس لیے جس کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی تھی تو والدین کو اسی دن

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

سے جہیز کی تیاری شروع کرنا پڑتی تھی۔ جب والدین جہیز دینے کے قابل نہیں رہتے تھے انہیں دوسرا طریقہ سوچنا پڑتا تھا، یعنی 'وٹے سٹے' کی شادی کی جائے۔ ضرورت پڑنے پر اپنی بیوی کو بھی طلاق دینا پڑتا تھا۔ برصغیر کے لوگوں کے لیے ذات بات کی پابندی بھی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے، کیونکہ شادی عموماً اپنی ذات میں ہی ہو سکتی ہے۔

"بیوی کی عارضی فروخت" ایک اتفاقی واقعہ نہیں ہے بلکہ جنوبی چین کے زوجانگ دیہاتوں میں رائج بیوی کی عارضی فروخت کی رسم پر مبنی افسانہ ہے۔ یہاں بیوی کی عارضی فروخت کا رواج برسوں سے چلا آرہا تھا۔ امیر کے گھر میں اگر بیٹا پیدا نہیں ہوتا تھا تب امیر کسی غریب گھرانے کی ایسی عورت کی خدمات حاصل کرتے تھے جو پہلے سے شادی شدہ ہو اور ایک یا دو بیٹے پیدا کر چکی ہو۔ غریب گھرانوں کی ایسی عورتوں کو امیر چند سال اپنے گھر میں رکھتے تھے، جب تک بیٹا پیدا ہوتا تھا۔ اس کے بدلے میں غریب گھرانوں کو معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ رؤشی نے اپنے آنکھوں سے جب یہ سب دیکھا تو ایک حساس دل و دماغ رکھنے والے افسانہ نگار و شاعر کو دکھ ہوا۔ انھوں نے اس قبیح رسم کو افسانے کی صورت میں بیان کر کے اس غیر انسانی اور دقیانوسی رواج کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی۔

بیوی کو عارضی فروخت کرنے کی قدیم دقیانوسی رسم چینی معاشرے میں موجود تھی، جس میں جیتے جاگتے انسان کو ایک بے جان چیز کے برابر حیثیت دے کر عارضی طور پر فروخت کیا جاتا تھا۔ یہ رسم اس لیے بھی چلتی رہی کہ کسانوں کی مالی حالت سنگین تھی اور وہ غربت کا شکار اور مجبور تھے۔ غرض کہ جاگیر دارانہ نظام میں محنت کش نہ صرف معاشی طور پر استحصال اور ظلم ستم کا شکار تھے بلکہ معیشت سے بڑھ کر ایک شدید قسم کا ذہنی ظلم و ستم بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اس ظلم و جبر کے ہاتھوں مقدس رشتے جو ماں کی ممتا کے روپ میں تھی وہ بھی محفوظ نہ تھی۔ اس پاک اور بے لوث جذبے پر بھی معاشرے کے دقیانوسی تصورات کے چلتے نہایت ضرب کاری لگتی رہی۔

"بیٹے اور بیٹیاں" وٹے سٹے کی رسم پر مبنی کہانی ہے۔ اس افسانے میں پنجاب کی ایک ایسی روایتی حقیقت کو قلمبند کیا گیا ہے جسے عرف عام میں 'وٹے سٹے کی شادی' کہا جاتا ہے۔ یہ رواج عام طور پر پورے خطے میں خصوصاً یہاں کے دیہات میں عام ہے۔ دیہات میں بھی معاشرے کے نچلے طبقوں میں اس کا زیادہ چلن پایا جاتا ہے۔ یہ افسانہ دیہات میں مٹی کے برتن بنانے والے کمہاروں سے متعلق ہے۔ یہاں کی زندگی میں نچلی ذاتوں اور غربت کے مابین چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اس معاشرے میں یہ دستور رہا ہے کہ وہ ہمیشہ دولت والوں کا ساتھ دیتا ہے، غربت کے ہاتھوں عزت اور آرزوں کا صرف خون ہوتا رہا ہے۔ ہادی کمہار اپنی بیٹی نازو کا رشتہ بیگو کمہار کے بیٹے دینو سے کرتا ہے اور وٹے سٹے کے اصول کے تحت بیگو کی بیٹی شرفی کی شادی ہادی کمہار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بیگو اور ہادی دونوں رنڈوے ہیں۔

> "افسانہ نگار نے اس معاشرے کی اس مکروہ روایت کے منفی اثرات کو اجاگر کیا ہے، جس میں شادی کے ایسے طریقے اگر کچھ گھر آباد کرتے ہیں تو انہی کی وجہ سے برباد بھی ہوتے ہیں، اس رواج میں عورت کے ساتھ بالخصوص ناانصافی ہو جاتی ہے۔ اس رواج کو پورا کرتے ہوئے مناسب جوڑے یا مناسب عمروں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ بس وٹے سٹے کی ریت پوری کرنی ہوتی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

ہے۔ دیہات میں معاشرتی اقدار کا یہ خاص پہلو ہے، جس کو ہر زمانے میں برا سمجھا گیا، مگر ان منفی اقتدار کو تبدیل کرنا یا ان سے مصلحانہ برتاؤ کی روایت کم ہی نظر آتی ہے۔ بیٹی کی عزت سب کو عزیز ہوتی ہے، مگر کمی ذات کی اکثر بیٹیوں کی عزت بڑے زمینداروں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔"(۷)

ان افسانوں میں ایک اہم اشتراک یہ بھی ملتا ہے کہ دونوں میں خواتین کے خلاف معاشروں کا امتیازی سلوک دکھایا گیا ہے۔ یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورتوں کی سماجی حیثیت مردوں کی نسبت بہت کم ہے۔ عورتوں کو یا تو عارضی طور پر فروخت کر دیا جاتا ہے یا طلاق دے کر کسی دوسرے مرد کے نکاح میں دے دی جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کی سماجی حیثیت کم تر ہے۔ انھیں مردوں کی نسبت دوسرے یا تیسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۴۹ء سے پہلے چین کی عورتوں کی سماجی حیثیت پستی کا شکار تھی، خاص طور پر دیہات میں یہ ظلم عروج پر تھا۔ شادی سے پہلے بیٹیاں گھر میں والدین کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ انہیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کو نہ صرف یہاں ایک بے کار اور فضول عمل سمجھا جاتا تھا بلکہ لڑکیوں کو پڑھنے کا موقع دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آزادی سے زندگی گزارنا اور اور خود مختار و خود کفیل ہونے کے لیے گھر سے باہر نکل کر نوکری کرنے کا تو تصور کرنا بھی گناہ تھا۔ اٹھارہ سال تک شادی کر دی جاتی تھی، پھر سسرال جا کر اس گھر کا فرد بن جاتی تھی۔ شوہر اور سسرالیوں کی خدمت کرتی تھی۔ یہاں بھی اس کی حیثیت فقط ایک کارکن کی سی ہوتی تھی جو دن رات گھر کے کاموں میں جتی رہتی۔ اردو کے ایک اور مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی نے بھی اپنے افسانوں 'گرہن' اور 'ہولی' میں یہاں کی عورت کی زندگی کی تصویر کشی نہایت فنکاری سے کی ہے۔ یعنی وہ اولاد جنم دیتی ہے پھر انھیں پالتی ہے، کھانے پینے کا انتظام سنبھالتی ہے، سارا دن کام ہی کام کرتی ہے۔

برصغیر میں عورتوں کی سماجی حیثیت پرانے زمانے کی چینی عورتوں سے ذات پات اور معاشرتی طبقوں کی تقسیم کی وجہ سے زیادہ کم تر تھی۔ اکثر فلموں یا افسانوں میں دکھایا جاتا ہے کہ بے چاری کم عمر لڑکیوں کی شادی ایک بڑی عمر کے آدمی کے ساتھ ہوئی۔ ان کی زندگی کا واحد نصب العین ہی گھر کا کام کرنا یا بچے پیدا کرنا ہے۔ اس کے سوان کا کوئی حق یا خواہش ہو ہی نہیں سکتی۔ 'بیٹے بیٹیاں' میں بیٹے کی شادی کے لیے بیٹیوں کی قسمت قربان کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ بیٹیوں کی شادی میں جہیز لازمی دینا ہے لہذا جہیز کے بغیر شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ برصغیر میں بے شمار لڑکیاں جہیز کی کمی کی وجہ سے ساس اور شوہروں کے ظلم و ستم کا شکار ہونے سے نہیں بچتیں۔ یہاں تک کہ اس بیچارے کمہار کو بیٹے کی فوری شادی کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دینا پڑی۔

درج بالا تجزیے اور تقابل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں چاہے برصغیر میں، چاہے چین میں عورتوں کی سماجی حیثیت کم تر تھی۔ ان کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھنا عام تھا۔ انھیں اپنے حقوق سے دُور رکھا جاتا تھا۔ بلکہ انھیں اکثر بد سلوکی، نفرت اور حقارت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اپنے خلاف ہونے والے مظالم پر لب کشائی اور اپنے حقوق کی حفاظت سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔ بیٹیاں اور بیویاں قربانی کے جانور کی طرح اپنی قسمت کی منتظر رہتی تھیں اور یہ اُس زمانے کا المیہ ہے! اچھے فنکار کی خوبی یہ ہے کہ گرد و پیش میں جو خود

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، اسی طرح قارئین کو دکھاتا ہے۔ سر سید نے ادیبوں کو نصیحت کی تھی کہ جو کچھ اپنے دل میں ہو، وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ ادب کو زندگی کا آئینہ ہونا چاہیے۔ وہ اسی لیے ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔

رؤشی (۱۹۰۲۔۱۹۳۱) جدید چینی ادب کے پہلے دور کے افسانہ نگار تھے۔ وہ نئے ثقافتی انقلاب میں پیشرو تھے اور اپنی جان کی قربانی دے کر پانچ اولین شہیدوں میں شامل ہوئے۔ نہایت رحم دل اور انسانیت کو خاص اہمیت دینے والے انسان تھے۔ ان کا شمار بیسویں صدی کے دوسرے عشرے کے اہم ترین چینی مصنفوں میں ہوتا ہے۔ ان کی زندگی مختصر تھی۔ فقط تیس سال زندہ رہے۔ لیکن اس مختصر ادبی سفر میں انہوں نے متاثر کن تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے خصوصاً 'فروری میں' اور ''بیوی کی عارضی فروخت'' کا شمار ان کے بہترین افسانوں میں ہوتا ہے۔ ان دونوں افسانوں کا بہت سی زبانوں جیسے انگریزی، فرانچ، روسی اور جاپانی وغیرہ میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ رؤشی چین کے جنوبی صوبے زوجانگ کے رہنے والے تھے۔ وہ اس علاقے کی دقیانوسی رسوم سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان میں سے قبیح ترین رسم کے خلاف اس افسانے میں آواز بلند کی گئی ہے۔ رؤشی پہلے چینی ادیب ہیں جنھوں نے اس پرانے دقیانوسی رسم کو بے نقاب کیا اور مظلوم عورتوں کے لیے انصاف کا نعرہ لگایا۔

احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶۔۲۰۱۰) ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے اور وہ ادب برائے زندگی یا ادب کی مقصدیت کے قائل تھے۔ وہ ایک حقیقت پسند مصنف تھے، یہی وجہ ہے کہ عوام ان کی تحریروں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ معاشرے کے عام لوگوں کے لیے لکھتے تھے، حقیقی زندگی کی کہانیاں لکھتے تھے۔ ان کے افسانے زیادہ تر پنجاب کے گاؤں کی غریبوں کی دردناک زندگی کے بارے میں ہیں۔ جن میں سنگ دل اور فریب کار امیروں کی دھوکا بازی، منافقت اور ظلم و ستم کے ہاتھوں غریب کا استحصال ہوتا رہا ہے۔ غرض کہ وہ خاص طور پر پنجابی گاؤں کے نچلے طبقے کی کہانیاں لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ ان غریبوں، محنت کشوں، کسانوں کی زندگی سے قارئین کو روشناس کرانا چاہتے تھے۔ 'بیٹے بیٹیاں' ان کا شاہکار افسانہ ہے، جس میں حقیقی طور پر اس زمانے کے غریب لوگوں کی دردناک زندگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

فنی طور پر دیکھا جائے تو 'بیٹے بیٹیاں' اور 'بیوی کی عارضی فروخت' دونوں حقیقت پسند تصانیف ہیں۔ ان میں حقیقت پسندی کی تمام نمایاں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ دونوں افسانوں میں نہایت دلکش اور سادہ انداز و اسلوب کے ذریعے روایات، معاشرت، تمدن کی ایسی عکاسی کی گئی ہے کہ اس کا کوئی پہلو آنکھوں سے اوجھل نہیں رہتا۔ دونوں افسانوں میں دیہی زندگی کے ہر پہلو کو مشاہدے کی گہری نظر سے دیکھا گیا ہے۔ ایک ہشیار مصور کی طرح الفاظ کی مدد سے خوب صورت تصویریں بنائی گئی ہیں۔ دیہاتی زندگی میں پائی جانے والی عمومی جہالت، ہٹ دھرمی اور شجاعت اور غیرت جیسے جذبات و قدروں کا انکشاف کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی افسانوں کو الفاظ کا ایسا لبادہ پہنا دیا گیا ہے کہ وہ زندہء جاوید ہو گئے ہیں۔ دونوں مصنفوں کی تحریریں سادگی، دلکشی اور ندی کی سی روانی سمیٹے ہوئے ہیں، ان کا مشاہدہ گہرا اور وسیع ہے اور انہوں نے معاشرے کے تلخ حقائق کو سچائی اور فن کاری سے اجاگر کیا ہے۔ زندگی سے قریب، زندہ دلی، روح عصر کی عکاسی اور انسانیت سے گہری محبت نے ان کی تخلیقات میں بلا کی تابناکی اور دلکشی پیدا کر دی ہے اور ان کے لفظ لفظ سے زندگی کی کرن پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

حواشی وحوالہ جات

۱۔ روشی کے منتخب افسانے، عوامی ادبی اشاعت گھر، دوسری جلد، ۲۰۲۲ء، ص ۴۴۱

۲۔ ایضاً ص ۴۴۱

۳۔ احمد ندیم قاسمی، برگِ حنا، ناشرین، لاہور، ۱۹۵۹، ص ۱۵

۴۔ ایضاً ص ۱۶

۵۔ ایضاً ص ۱۹

۶۔ ایضاً ص ۱۹

۷۔ احمد حسین، احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں سماجی اقتدار، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۶، ص ۴۵۷

References in Roman Script:

1. Roushi kai Muntakhib Afsanye, Awami Adab Ishat Ghar, Dosri Jild,2022, P. 441
2. Ibid, P. 441
3. Ahmed Nadeem Qasmi, Barg-e-Hina, Nashreen, Lahore,1989, P. 15
4. Ibid, P. 16
5. Ibid, P. 19
6. Ibid, P. 19
7. Ahmed Hussain, Ahmad Nadeem Qasmi k Afsano main Samaji Iqtedar, Wafaqi Urdu University braye Fanoon Science o Technology, Islamabad, 2016, P. 457

Professor Kong Julan received her bachelor's degree in Urdu literature from Peking University, China. Currently, she is a senior faculty member at the School of Foreign Languages at Peking University, where she teaches and supervises graduate students.

She has been actively engaged in teaching and research work throughout her career. In addition to Urdu language and literature, Professor Kong has research interests in Pakistani folk literature, Islamic culture, and ethnicity in South Asia and the region. Some of her important works include "Pakistani Folk Literature," "Society and Culture of Pakistan," "Urdu Chinese - Chinese Urdu Bilingual Dictionary," and "Urdu Chinese Dictionary," which also won the second prize in the 13th Philosophy and Social Science Award of Peking University. Her major translations included "Pakistani Folk Stories," and "The Indian Avanti," among others. Professor Kong has also edited "Basic Urdu Textbook (Volumes 1-5)," "Three Hundred Daily Sentences in Urdu," "Urdu Language Self-Study Book," and "Urdu Grammar." All of these are used as teaching materials in all the universities offering Urdu majors in China. She has also published several papers.

In recognition of her services to Urdu, the Government of Pakistan honored her with the medals "Sitara-e-Quaid-e-Azam" in 2003 and "Sitara-e-Imtiaz" in 2023.